اقبال اور ابن سعود

(قسط ۱)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

علامہ محمد اقبال کے فکر و شعر میں عالم عرب کو بالعموم اور سر زمین حجاز کو بالخصوص بڑی اہمیت حاصل ہے ' بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ جو مقام اولیت عالم عرب و سر زمین حجاز کو حاصل ہے ' وہ حضرت علامہ کے فکر و شعر کا نمایاں ترین پہلو ہے ۔ "بانگ درا" سے لے کر "ارمغان حجاز" میں نسیم حجاز کے انفاس آخریں تک ' اقبال کی شاعری کا یہ پہلو نمایاں رہا ' اور اس کے واضح شواہد موجود ہیں ۔ شعر گوئی کے ابتدائی مراحل ہی میں شاعر اسلام و حکیم الامت نے اس بات پر اظہار افسوس کیا تھا کہ سرزمین نجد کے " قیس " میں اب شور سلاسل پر ' عالم مستی میں ' رقصاں ہونے کی اہمیت معدوم ہو گئی ہے ۔ ' پھر جب محسوس ہوا کہ جذب و شوق کی فطرت لے کر پیدا ہونے والا " یثربی " اب ناقہ لیلی سے والہانہ لگاو کو فراموش کر بیٹھا ہے یا محمل لیلی کا دیوانہ وار نظارہ کرنے کا جوش و جذبہ مفقود ہو گیا ہے تو اقبال کے دل میں یہ آرزو تڑپ اٹھتی ہے کہ اس جفاکش و محبت کیش قوم حجاز کو کوئی نیا جذبہ یا تازہ ولولہ عطا ہو ' جائے ۔ اسی طرح زندگی کے آخری ایام میں وہ "ارمغان حجاز" یا تحفہ حجاز لیے سرزمین حجاز کی جانب ' سرور عاشقانہ کے ساتھ ' محو پرواز نظر آتے ہیں تاکہ اپنے آشیانے میں آرام و راحت نصیب ہو سکے ۔ ' الغرض ' علامہ محمد اقبال اول و آخر تہذیب حجازی کے ترجمان و غمگسار تھے ' سالار حجاز صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و قیادت پر پختہ ایمان ' اور والہانہ محبت اور جزیرہ عرب کی صحرا نورد قوم سے قلبی لگاو ' نے اقبال کے دل میں سرزمین حجاز سے اتنی گہری عقیدت پیدا کر دی کہ اپنے لیے آخری آرام گاہ بھی وہ اسی سرزمین میں تلاش کرنے لگے ' تھے ۔ اسی طرح حضرت علامہ کے دل میں یہ عقیدہ بھی پختہ تر ہو گیا تھا کہ عالم انسانیت کی تاریخ میں رونما ہونے والا تغیر اور انقلابی اقدام ہمیشہ یا تو بندہ کہستانی کا مرہون منت ہوتا ہے یا قدرت کے ان مقاصد کی حفاظت مرد صحرائی کا مقدر بنتا ہے ۔

جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ عظیم و پروقار سلطنت و مملکت (سعودی عرب) کے بانی و معمار سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمان الفیصل آل سعود میں بھی علامہ اقبال کو اک مرد صحرائی نظر آیا اور اس میں قوم حجاز کے اوصاف دکھائی دیئے کیونکہ وہ راسخ العقیدہ موحد اور مرد

صحرائی کی ہمت و شجاعت کے مالک تھے ۔ وہ عصر حاضر میں تہذیب حجاز کے علم بردار بھی تھے جسے اقبال کے فکر و تخیل میں بلند ترین مقام حاصل تھا۔ اور جب ابن سعود والی نجد و حجاز کی حیثیت سے عالم اسلام کی بساط سیاست پر نمودار ہوئے تو قدرتی طور پر وہ ان توقعات اور آرزوؤں کا مرکز و مرجع بن گئے جو اقبال کے دل میں نہضت اسلام (اسلام کی نشاۃ ثانیہ) کے حوالے سے جاگزیں تھیں ۔ چنانچہ "وہابی تحریک" کی ' برصغیر میں' شدید مخالفت کے باوجود علامہ محمد اقبال نے نہ صرف ابن سعود کی کھل کر حمایت کی ' بلکہ اس مطالبے کی غیر معقولیت پر شدید اعتراض کرتے ہوئے ' اس کی مخالفت بھی کی کہ سرزمین حجاز اور حرمین شریفین کی تولیت ' اشراف مکہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد' عثمانی خلیفہ کو سونپ دی جائے ' ۔ اس کے علاوہ ابن سعود کو " ارمغان حجاز " میں ' اصول حکمرانی و سیاست کے ضمن میں ' چند نصیحتیں بھی کیں ' ۔

ابن سعود کی شخصیت اور تاریخی کردار کو واضح طور پر سمجھنے سے پہلے یہ ضروری ہو گا کہ اس سلسلے میں دو اہم باتوں پر بھی نظر رکھی جائے جو بنیادی پس منظر کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ان میں سے ایک تو امام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت اور ان کی اصلاح عقیدہ کی تحریک ہے جو "تحریک وہابیت " کے نام سے زیادہ مشہور ہے ۔ اور دوسری بنیادی بات آل سعود سے واقفیت و تعارف ہے جو کبھی نجد کے ایک موضع " درعیہ " کی ایک چھوٹی سی ریاست کے حکمران تھے ' مگر جدید دور کی اسلامی تاریخ میں ایک خاص مقام ' اور آج کی اسلامی دنیا میں ایک نمایاں اور اہم حیثیت کے مالک ہیں ۔

امام محمد بن عبدالوہاب نجد کے ایک معزز علمی گھرانے میں ' ۱۱۱۵ ھ میں ' پیدا ہوئے جو "عیینہ " نامی قصبے میں مقیم تھا ۔ اپنے والد سے ابتدائی دینی تعلیم کے حصول کے بعد موصوف نے شیخ الاسلام امام بن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم کی تصانیف کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا جس سے انہیں دین اسلام کے بنیادی حقائق اور عقائد سلف صالحین کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت مدد ملی ' ۔

بعد میں امام موصوف نے ' مدینہ منورہ میں ' شیخ عبداللہ ابراہیم آل سیف ' شیخ علی داغستانی اور شیخ محمد حیات سندھی محدث سے بھی استفادہ کیا ' لیکن ان کے دل و دماغ پر ہمیشہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کے دینی افکار چھائے رہے ۔ اس سلسلے میں پاکستان میں سعودی عرب کے پہلے سفیر مرحوم عبدالحمید الخطیب ۔ لکھتے ہیں :

> " انہیں بحث و تحقیق اور معرفت حقائق کا بہت شغف تھا ۔ وہ ہر شرعی حکم کے لیے اپنے اساتذہ سے کتاب و سنت سے دلیل طلب کرنے لگے تھے مگر انہیں اکثر سوالات کا جواب نہیں ملتا تھا ۔ اس سبب سے ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم کی تصانیف کے مطالعے کی تحریک ہوئی ۔ چنانچہ ان کے ہاں انہیں دین کے اصولوں اور اس کی عقلی و نقلی دلیلوں کے سلسلے میں بحث و تحقیق کی گم شدہ چیز مل گئی یہ

دلائل انہیں بے حد پسند آئے ۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے افکار ان کے رگ و پے میں یوں سرایت کر گئے جس طرح دوا انسان کے پیٹ میں سرایت کرتی ہے "۔

تعلیم و مطالعہ کے بعد امام موصوف نے دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے کا فیصلہ کیا ۔ آغاز کار میں بصرہ کو اپنا مرکز تبلیغ بنایا مگر شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ' وہاں سے نجد کا رخ کیا اور اپنی جائے پیدائش (عیینہ) کے امیر ' عثمان کو دعوت توحید اور عقیدہ سلف کی خدمت کے لیے آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے " ۔ یہاں بھی شدید مخالفت کا سامنا ہوا اور بالآخر آل سعود کے آبائی مسکن و مرکز (درعیہ) پہنچے جہاں امیر محمد بن سعود نے خوش آمدید کہا اور دعوت حق اور اصلاح عقیدہ کی سلفی تحریک میں تائید و حمایت کا عہد کیا ۔ محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود کے مابین جو معاہدہ ہوا' اس کے نتیجے میں مختلف مشکلات و مراحل سے گزرنے کے بعد ' آل سعود ایک عظیم مملکت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گئے ۔ ان دونوں بزرگوں کے مابین طے پانے والا یہ معاہدہ آج تک رو بہ عمل ہے اور مملکت سعودی عرب میں عدالت و افتاء اور تبلیغ و اشاعت دین "آل شیخ" (یعنی آل محمد بن عبدالوہاب) اور حکومت و سیاست آل سعود (یعنی آل محمد بن سعود) کا الگ الگ منصب تسلیم کیا جاتا ہے "

آل سعود جو کبھی فقط موضع "درعیہ" اور اس کے مضافات کے امراء تھے ' نجد و حجاز کی تاریخ میں ایک خاص مقام کے مالک بلکہ ایک روشن باب کے خالق ہیں ۔ درعیہ کی یہ سعودی ریاست یا امارت متعدد بار ابھری ' اور دبائی جاتی رہی ۔ امام محمد مذکور کے بیٹے سعود الکبیر کے عہد میں تو یہ مملکت رقبے کے لحاظ سے موجودہ مملکت سے بھی بڑی تھی ۔ توحید اور عقیدہ سلف کی بنیاد پر اٹھنے والی اس وہابی تحریک کی سرپرستی کرتے ہوئے ' اس سعودی امیر نے نجد و حجاز ' مسقط ' بحرین ' بصرہ اور شام کے بعض علاقوں پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا ۔ سعود الکبیر نے ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں زمام اقتدار سنبھالی تھی۔ ۱۸۱۱ء میں آل سعود پر مصریوں کی تاریخی یلغار کے دوران وہی حکمران تھے ۔[۳] اس حملے کے بعد بھی آل سعود ایک مرتبہ پھر سنبھل گئے البتہ کبھی عثمانی ترکوں اور کبھی مقامی عرب امراء کے ہاتھوں مشکلات سے دوچار رہے ۔ اس سلسلے کی آخری کوشش ترکوں کے اشارے پر محمد بن الرشید نے کی جس کے نتیجے میں عبدالرحمان بن فیصل (یعنی موجودہ مملکت کے بانی عبدالعزیز کے والد) کے دور میں جنگوں کا سلسلہ جاری رہا مگر امیر عبدالرحمان نے اہل اسلام کی خوں ریزی سے بچنے کے لیے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا "

اقتدار سے کنارہ کشی کے بعد امیر عبدالرحمان کا خاندان بحرین سے ہوتا ہوا کویت پہنچا تو امیر کویت محمد بن الصباح نے انہیں پناہ دی ۔ اس مشکل وقت میں امیر عبدالرحمان آل سعود کی آخری امید اس کا ہونہار ذہین اور بہادر بیٹا عبدالعزیز تھا جس کی تربیت میں اس نے کوئی کسر اٹھا

نہ رکھی' چنانچہ وفات سے پہلے امیر عبدالرحمان اپنے بیٹے کو مملکت سعودی عرب کے تخت پر متمکن دیکھ چکا تھا ۔

ایک ولی عہد سمیت پانچ بادشاہوں کے باپ شاہ عبدالعزیز ابن سعود کی پیدائش ایسے نازک اور مشکل وقت میں ہوئی جب آل سعود باہمی اختلافات و انتشار سے دوچار تھے ۔ عبدالعزیز کے والد' اور مصری حملے کے بعد آل سعود کو سنبھالا دینے والے فیصل بن ترکی کے فرزند عبدالرحمان بن فیصل اور ان کے چچا زاد بھائیوں کے درمیان جو چپقلش اور آویزش شروع ہوئی تھی' وہ آل سعود کے اقتدار کو رفتہ رفتہ طبعی زوال کی طرف لے جا رہی تھی [۱۰]۔ ماہ ذوالحجہ ۱۲۹۹ ھ (۲۱ اکتوبر ۱۸۸۰ ء) کی دسویں تاریخ تھی ۔ عیدالاضحی کی صبح خوشیوں کے گلدستے لیے نمودار ہونے والی تھی ۔ نماز فجر سے کچھ پہلے عبدالرحمان الفیصل آل سعود کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبدالعزیز رکھا گیا ۔ یہی بچہ آگے چل کر شاہ عبدالعزیز ابن محمد سعود والی نجد و حجاز بن کر شہرت عام اور بقائے دوام پانے والا تھا ۔ یہی وہ پر عزم و باہمت انسان تھا جس نے غربت اور جلاوطنی کے دوران بیکسی کے عالم میں زندگی گزارنے والے خاندان کو نہ صرف کھوئی ہوئی عظمت واپس دلائی بلکہ جزیرہ نمائے عرب میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی جو آج کی دنیا کی خوشحال ترین مملکتوں میں سے ایک ہے ۔

پانچ سال کی عمر میں عبدالعزیز بن عبدالرحمان آل سعود نے قرآن کریم' حدیث نبوی اور دیگر متداول علوم کا درس لینا شروع کیا ۔ اس کے اساتذہ میں قاضی عبدالرحمان الخرجی اور شیخ عبداللہ بن عبداللطیف آل شیخ نمایاں ہیں ۔ موخرالذکر شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی اولاد میں سے تھے [۱۱]۔ متداول علوم کی تعلیم کے ساتھ والد نے فنون حرب و قیادت لشکر کی تربیت بھی شروع کر دی تھی ۔ عملی میدان میں تجربہ حاصل کرنے کی خاطر جنگی معرکوں میں بھی اپنے بیٹے کو ساتھ رکھتے [۱۲]۔

عبدالرحمان بن فیصل کا خاندان آل سعود کی خانہ جنگی اور دشمنوں کے غیظ و غضب سے بچ کر پہلے بحرین ہجرت کر گیا پھر قطر سے ہوتا ہوا کویت میں پناہ گزیں ہو گیا تھا ۔ عبدالعزیز کو بھی اپنے خاندان کے ہمراہ امیر کویت کے سائے میں رہنے کا موقع ملا۔ اس اثنا میں اپنے والد کی تربیت سلفی عقیدے اور درس توحید کے طفیل عبدالعزیز ایک ثابت قدم' پر عزم اور راسخ العقیدہ مسلمان بن چکا تھا ۔ باپ نے اپنے بیٹے کو وہ معاہدہ بھی اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا جو آل سعود کے جد امجد امام محمد بن سعود اور امام محمد بن عبدالوہاب کے درمیان عقیدہ سلف صالح کی اشاعت اور علم توحید کے زیر سایہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کی خاطر طے پایا تھا ۔ کویت میں قیام کے دوران عبدالعزیز نے ان تمام فوجی مہمات میں عملی شرکت کی تھی جو شیخ مبارک آل

دو باتیں خاص طور سے عبدالعزیز ابن سعود کے شخصی کردار کا حصہ تھیں ۔ ایک تو وہ دھن کا پکا تھا ۔ اس کے عزم اور ارادے کو کوئی نہیں توڑ سکتا تھا ۔ دوسرے ' وہ قول و قرار میں صراحت و ثابت قدمی کا قائل تھا ۔ اس کے سامنے ایک اعلیٰ مقصد تھا ۔ وہ غاصبوں سے اپنے آبا و اجداد کی میراث واپس لینا چاہتا تھا اور ساتھ ہی توحید کی دعوت اور عقیدہ سلفیہ کو عام کرنا چاہتا تھا ' چنانچہ اس اعلیٰ مقصد کی راہ میں وہ بڑی سے بڑی قربانی کو حقیر جانتا تھا ۔ دعوت توحید اور حق کی بازیابی کی راہ میں مرنا بھی اس کے نزدیک شہادت کی موت تھی [۲۳]

کویت سے ریاض تک کا صحرائی سفر اگرچہ جان جوکھوں کا کام تھا لیکن پرعزم و باہمت نوجوان موحد کا یہ سفر تمام صعوبتوں اور خطرات کے باوجود جاری رہا ۔ بہت دنوں کے بعد ابن سعود کے والد نے امیر کویت کے مشورے سے اپنے بیٹے کو خط لکھا اور اس خطرناک مہم کو ترک کر کے واپس آنے کا مشورہ دیا ۔ لیکن اس خط نے جلتی پر تیل کا کام کیا ۔ نوجوان عبدالعزیز اور اس کے ساتھیوں نے قسم کھائی کہ تخت یا تختہ کے سوا اور کوئی راستہ اختیار نہیں کریں گے ۔ ابن سعود کی زبان پر یہ شعر رواں تھا: [۲۴]

لا استسهلن الصعب او ابلغ المنی
فما انقادت الامال الا لصابر

(میں اپنی مشکل کو ہر صورت میں حل کر کے چھوڑوں گا یا اسی راہ میں موت کو گلے لگاؤں گا کیونکہ اپنے مقاصد اور آرزوؤں کی تکمیل تو صرف اہل ہمت ہی کیا کرتے ہیں)

ابن سعود نے سوچ لیا تھا کہ ابن الرشید کی فوجی قوت سے براہ راست تصادم کا مطلب خودکشی کے سوا اور کچھ نہیں ۔ اس لیے دوستوں سے مشورے کے بعد ویران ' خوفناک اور پرخطر صحرا الربع الخالی کے قلب کو چیرتے ہوئے' انتہائی رازداری سے پیش قدمی جاری رکھنے کا فیصلہ ہوا تاکہ ان کی نقل و حرکت کا کسی کو علم نہ ہونے پائے ۔ [۲۵] منصوبہ یہ تھا کہ قریب پہنچ کر گھات میں بیٹھا جائے اور ریاض پر چڑھائی کے لیے مناسب موقع کا انتظار کیا جائے ۔ قلعہ ریاض پر قبضے کا مطلب نجد کی پوری ریاست پر قبضہ تھا یہ منصوبہ بندی کرنے کے بعد نوجوان عبدالعزیز نے اپنے والد کو جو خط لکھا' وہ آج بھی آل سعود کی دستاویزات میں محفوظ ہے ۔ اس خط پر ۲۹ رجب ۱۳۱۹ھ درج ہے ۔ [۲۶]

شعبان ' رمضان اور ماہ شوال (تین ماہ تک) اس منصوبے پر عمل جاری رہا ۔ ریاض سے ڈیڑھ گھنٹے کی پیدل مسافت پر ایک جگہ ہے جسے " ضلع الشعب " کہتے ہیں ۔ اس مقام پر اس چھوٹی سی فوجی مہم نے پڑاؤ ڈال دیا ۔ یہاں سے ابن سعود اپنے چالیس منتخب شہسواروں کے دستے کے ساتھ رات کے وقت پیدل چل پڑا ۔ فصیل شہر کے پاس پہنچ کر ابن سعود نے صرف چھ

آدمیوں کو ساتھ لیا اور باقی کو اپنے بھائی محمد کی قیادت میں وہی چھوڑ دیا ۔ ابن الرشید کے مقرر کردہ حاکم شہر امیر عجلان کے مکان کے قریب ایک گوالے کی جھونپڑی تھی ۔ عبدالعزیز نے دروازہ کھٹکھٹایا اور خود کو امیر عجلان کا کارندہ ظاہر کر کے گائے خریدنے کا بہانہ کیا ۔ مگر گوالے کی بیٹیوں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا ۔ گوالے کو قتل کی دھمکی دی گئی تو دروازہ کھلا ۔ جھونپڑی والوں کو خاموش رہنے کی شرط پر جان کی امان دی گئی ۔ جھونپڑی کے راستے یہ چھ آدمی امیر کے محل کے متصل مکان میں کود گئے ۔ مکان میں صاحب خانہ اور اس کی بیوی سو رہے تھے ۔ دونوں کی مشکیں کس دی گئیں اور شور مچانے کی صورت میں قتل کی دھمکی دے کر خاموش کر دیا گیا ۔ یہاں سے ابن سعود نے پیغام بھیج کر اپنے بھائی محمد اور باقی ساتھیوں کو بھی بلوا لیا ۔ پھر سب حاکم شہر کے گھر میں کود گئے ۔ عبدالعزیز حاکم کی خوابگاہ میں داخل ہوا تو پتہ چلا کہ وہاں تو صرف امیر کی بیوی اور اس کی بہن سو رہی ہیں اور امیر عجلان رات قلعے میں بسر کرتا ہے اور اگلی صبح کو ' سورج طلوع ہونے کے بعد ' گھر آتا ہے ۔ فجر کا وقت قریب تھا ۔ سب نے یہیں وضو کیا اور نماز پڑھی ۔ اور اپنی مہم کی کامیابی کے لیے دعا کے بعد قلعے میں گھسنے کی تدبیر سوچ ہی رہے تھے کہ سحر کی سپیدی میں قلعے کا دروازہ کھلا ۔ خدام و ملازمین حسب معمول باہر نکلے اور قلعے کے صحن میں مویشیوں کی دیکھ بھال میں لگ گئے ۔ امیر عجلان اپنے دس خادموں کے جھرمٹ میں باہر آیا ۔ جونہی وہ مکان میں داخل ہوا' عبدالعزیز اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا' اور عبدالعزیز کی گولی سے زخمی ہونے کے باوجود دوڑ کر قلعے میں داخل ہو گیا ۔ ابن سعود کے ساتھی نعرہ لگاتے ہوئے ' ان کے پیچھے قلعے میں داخل ہو گئے ۔ قلعے میں موجود سپاہیوں پر حیرت و دہشت چھا گئی تھی ۔ کچھ قتل ہوئے باقی نے ہتھیار ڈال دیئے ۔ عبدالعزیز کے ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر امیر عجلان کا قصہ تمام کر دیا ۔

۳ شوال ۱۳۱۹ھ (۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء) کی صبح طلوع ہو چکی تھی ۔ " ریاض " ابن سعود کے قدموں میں تھا ۔ آل سعود کی کھوئی ہوئی امارت واپس آ گئی تھی ۔ مملکت سعودی عرب کا پہلا پتھر رکھا جا چکا تھا جو نجد کے بعد حجاز تک بہت جلد پھیلنے والی تھی ۔ آس پاس کے شیوخ بیعت کر کے مبارکباد دے رہے تھے ' اور تین کمروں والے کوچی گھر میں رہنے والا خاندان ایک بار پھر درعیہ کے ساتھ ریاض کا مالک بن چکا تھا' اور قاصد مبارکباد کا پیغام لے کر کویت سے عبدالعزیز کے والد اور خاندان کو لانے کے لیے روانہ ہو رہے تھے [۲۷]

نجد پر مکمل اقتدار قائم ہو جانے کے بعد جزیرہ نمائے عرب کا دوسرا حصہ ۔ حجاز ۔ بھی اس اصلاحی تحریک کا منتظر تھا جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ایک کٹر پیرو کار عبدالعزیز ابن سعود کی سرپرستی میں ایک نئی آب و تاب کے ساتھ شروع ہو چکی تھی ۔ آل سعود کا اقتدار ایک بار پھر وسعت اختیار کرنے والا تھا ۔ لیکن راستے میں ابھی بہت سی رکاوٹیں حائل تھیں ۔ ابن سعود جیسا دور اندیش سیاستدان اور بیدار مغز حکمران ان رکاوٹوں کو دور کیے بغیر حجاز کو اپنی سلطنت کا

حصہ بنانے کے اقدامات کے لیے تیار نہ تھا۔ علاوہ ازیں اندرونی مشکلات پر قابو پانا' آل رشید کے تسلط کا مکمل خاتمہ اور داخلی استحکام بھی ضروری تھا [۲۸]

حجاز کی جانب فوری پیش قدمی کی راہ میں حائل رکاوٹوں میں سے بعض یہ تھیں :

۱۔ اشراف مکہ کی ہاشمی سلطنت :

مغربی سامراجیوں نے اسلامی مشرق پر تسلط جمانے کے لیے عثمانی ترکوں کی عظیم الشان سلطنت کو پارہ پارہ کرنے کی جو سازش تیار کی تھی ' اس کی عملی تکمیل میں سب سے بڑا کردار لارنس آف عربیا کا تھا جس نے جزیرہ نمائے عرب' عراق' شام اور فلسطین سے ترکوں کو بے دخل کرنے کے لیے سازشوں کا ایک خوفناک جال بچھا دیا تھا ۔ لارنس آف عربیا نے عرب زعماء و قائدین کو جو چکمے دیے اور جس ہوشیاری سے انہیں اعتماد کے شیشے میں اتارا' وہ ایک حیران کر دینے والی حسرت ناک داستان ہے ۔ اس کی سازشوں نے عراق' شام' فلسطین' اور جزیرہ نمائے عرب میں ترکوں کے خلاف' عرب قومیت کے نام پر' آگ کے جو شعلے بھڑکائے ' انہوں نے عالم اسلام خصوصاً" عربوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اس نے بلاد عرب کے قلب میں صہیونیت کا خنجر گاڑ دیا اور عربوں کو کہیں کا نہ چھوڑا ۔ چنانچہ اس کا خمیازہ آج تک عرب اور اسلامی دنیا بھگت رہی ہے ۔ [۲۹] اس ضمن میں انگریز سامراجیوں کا شریف مکہ حسین بن علی کو عرب دنیا کا ملک الملوک یا شہنشاہ بنانے کا چکمہ بھی ایک نہایت درد ناک و افسوسناک داستان ہے ۔ حسین نے انگریزوں کے فریب میں آکر ترکوں کو حجاز سے جس ذلت ' بے دردی اور سنگدلی سے بے دخل کیا ' اس پر آج سبھی نادم ہیں لیکن مطلب براری کے بعد انگریزوں نے جس طرح حسین بن علی کو درد ناک حسرت اور مایوسی میں مبتلا کیا' وہ بھی کسی طرح کم عبرت آموز نہیں ۔

حجاز سے ترکوں کی بے دخلی کے بعد شریف مکہ کے لیے ابن سعود کی شکل میں نجد کی پہاڑیوں سے بلند ہونے والا خطرہ بڑی تشویش کا باعث تھا ۔ ابن سعود کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ حسین بن علی اب محض شریف مکہ نہیں کہلاتا بلکہ وہ عرب دنیا کا ملک الملوک بننے والا ہے ' بڑے عجیب و غریب طریقے اختیار کیے گئے ۔ کبھی شاہانہ عطیات کی شکل میں نقد رقم کی تھیلیاں بھجوائی جاتیں' کبھی خوشامدیوں کی طرف سے دیئے جانے والے القاب مثلاً" منقذ اعظم" یا سب بڑا نجات دہندہ کا اظہار ہوتا ۔ ابن سعود جیسے ذہین فطین انسان پر ان تمام اقدامات کا پس منظر مخفی نہیں تھا ؛ تاہم وہ خاموشی کے ساتھ وقت کا منتظر تھا۔ [۳۰]

۲ ۔ ترکان عثمانی :

آل رشید عثمانی ترکوں کے نمائندے تھے ۔ ابن سعود نے ان سے نجد کی حکومت بزور شمشیر چھین کر گویا ترکوں سے براہ راست ٹکر لی تھی ۔ عسیر کا علاقہ براہ راست ترکوں کے قبضے

میں تھا ۔ اس علاقے پر بھی ابن سعود کا تسلط قائم ہو چلا تھا ۔ اس لیے حجاز کی طرف ابن سعود کی فوری پیش قدمی ترکوں کو مشتعل کر سکتی تھی یا کم سے کم وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عالم اسلام کو ابن سعود کے خلاف بھڑکا سکتے تھے ۔

۳ ۔ عالم اسلام کی ناراضی کا خطرہ :

ابن سعود جس خطرے کو اپنے لیے سب سے زیادہ ناگوار تصور کرتا تھا ' وہ مسلمانان عالم کی ناراضی کا خطرہ تھا جن میں برصغیر کے مسلمان سر فہرست تھے ۔ وہابی تحریک کے خلاف پہلے ہی انگریز سامراجیوں اور بعض حکومتوں یا گروہوں نے زبردست پراپیگنڈا کر رکھا تھا ۔ اس لیے حجاز مقدس پر وہابی قبضے کے خلاف اسلامی دنیا کے جس شدید رد عمل کا خطرہ تھا ' ابن سعود اس سے بھی آگاہ تھا ' بلکہ وہ مسلمانان عالم اور بالخصوص مسلمانان برصغیر کے جذبات کا بے حد احترام کرتا تھا ۳۰

۴ ۔ انگریزی سامراج

انگریز سامراجیوں نے وہابیت کے خلاف زہریلے پراپیگنڈے سے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر کے اور نفرت دلا کر بہت حد تک اطمینان حاصل کر لیا تھا اور اب انھیں وہابیت کی مقبولیت یا ابن سعود کے غلبے سے کوئی خطرہ نہیں تھا ؛ تاہم انگریز سامراج ابن سعود جیسے بیدار مغز ' باہمت اور دور اندیش قائد کو مستقبل کا خطرہ بننے کا موقع دینے کے لیے تیار نہ تھا ۔ ابن سعود بھی اس خطرے سے کسی طرح غافل نہ تھا ۔ ان تمام خطرات کے پیش نظر حجاز کے متعلق اس نے انتہائی محتاط رویہ اختیار کر رکھا تھا ۔ ۳۱

۵ ۔ برصغیر کے علمائے اسلام :

جزیرہ نمائے عرب اور برصغیر کے تعلقات پرانی تاریخ کا حصہ ہیں ۔ اسلام کی آمد کے بعد تو سرزمین حجاز کے ساتھ اس خطے کے ایمانی و قلبی تعلقات قائم ہو گئے ' اور یہ تعلقات وقت کے ساتھ ساتھ قوی سے قوی تر اور عمیق سے عمیق تر ہوتے چلے گئے ۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ ایک شرف سے محروم رہی ' اور وہ ہے خلافت اسلامی کے ساتھ براہ راست وابستگی ۔ اس احساس کے نتیجے میں مسلمانان برصغیر کے دلوں میں اخوت اسلامی اور ہمدردی و تعاون کے جذبات دیگر اسلامی گوشوں کی نسبت زیادہ ہی رہے ہیں ۔ ترکان عثمانی کو پیش آنے والی مشکلات اور عالم اسلام کے ہر گوشے میں ہونے والے حوادث و واقعات کے بارے میں برصغیر کے علمائے اسلام کا بالخصوص اور پوری ملت اسلامیہ کا بالعموم جو رد عمل رہا ہے ' وہ جذبہ اخوت و ہمدردی کے میدان میں بے مثال حیثیت رکھتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلامی دنیا کے ہر خطے میں مسلمانان برصغیر پاک و ہند کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے رد

عمل کو ہمیشہ خاصی اہمیت حاصل رہی ہے ۔ برصغیر پر انگریز سامراج کے تسلط کے بعد جزیرہ نمائے عرب 'یمن اور خلیج کی عرب ریاستوں سے جو تاریخی روابط قائم تھے ' وہ اور بھی زیادہ اہم اور نازک صورت حال اختیار کر گئے تھے ۔ یہ تمام حقائق عبدالعزیز ابن سعود پر بخوبی عیاں تھے ۔ جیسا کہ آئندہ تفاصیل میں واضح ہو گا ' حجاز و حرمین شریفین کے ضمن میں مسلمانان برصغیر کے قلبی جذبات اور رد عمل کو وہ خصوصی اہمیت دیتے تھے ۔ [۳۲]

شریف مکہ اپنی تمام تر خاندانی نجابت اور تاریخی پس منظر کے باوجود حوادث کو سمجھنے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی کامل صلاحیت سے محروم تھا ۔ چونکہ انگریزوں نے زبانی اور تحریری طور پر اسے بلاد عرب کا شہنشاہ بنانے کا جھانسا دے رکھا تھا' اس لیے وہ خود کو عرب قوم کا عظیم ترین نجات دہندہ (المنقذ الاعظم) اور ملک الملوک تصور کرنے بلکہ اس کا عملی مظاہرہ کرنے لگا تھا' [۳۳] مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی ۔ انگریز سامراج اس کی قائدانہ صلاحیت کے فقدان سے آگاہ ہو چکا تھا' اس لیے پہلی عالمی جنگ میں فتح پانے اور بین الاقوامی حالات کو اپنے مفاد میں ڈھالنے کے بعد نہ صرف یہ کہ شریف مکہ کے ساتھ کیے گئے وعدوں سے پھر گیا بلکہ اس کی نا اہلی کا ڈھنڈورا پیٹ کر اسے دنیا کی نظروں میں رسوا بھی کر دیا ۔ یوں شریف مکہ عالم اسلام کی نظروں سے بھی گر گیا ۔ [۳۴] وہ چونکہ حقائق کا ادراک کرنے اور حالات کا مقابلہ کرنے میں ناکامی سے اپنی نا اہلی ثابت کر چکا تھا' اس لیے پہلے تو صرف اہل حجاز نے اسے تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا لیکن بعد میں اس مطالبہ میں پورا عالم اسلام بھی شریک ہو گیا ۔ برصغیر کے مسلمانوں نے جیسا کہ تحریک خلافت کے قائد مولانا شوکت علی کے مطالبے سے ظاہر ہے ' ترکان عثمانی کے ساتھ غداری اور سنگدلانہ سلوک کو ایک ناقابل معافی جرم قرار دیا۔ [۳۵]

انگریز سامراج چونکہ نہ صرف شریف مکہ کی نا اہلی سے آگاہ تھا بلکہ ابن سعود کی قائدانہ صلاحیتوں کا معترف بھی ہو چکا تھا' اس کے علاوہ وہابیت کے خلاف پراپیگنڈا کروا کر ان سعود کے لیے مسلمانوں کے جذبات ہمدردی بھی محدود کر چکا تھا' اس لیے انگریزوں نے ابن سعود کو نجد و حجاز کے معاملات میں اپنی عدم مداخلت کا بھی یقین دلایا ساتھ ہی شریف مکہ اور ابن سعود کی آویزش میں اپنی غیر جانبداری کا بھی اعلان کر دیا ۔ حجاز کی بگڑتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر ابن سعود نے اہل حجاز کی رضامندی سے مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ منورہ کو بھی شریف مکہ کے تسلط سے آزاد کرا لیا' مگر ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ حرمین شریفین کے مستقبل کا مسئلہ "وامرھم شوری بینھم" کے اصول کے مطابق مسلمانوں کے مشورے اور تعاون سے حل کیا جائے گا ۔ جدہ کی عالمی اسلامی کانفرنس کا انعقاد ابن سعود کے اعلان کا عملی ثبوت تھا۔ [۳۶]

اہل حجاز نے عبدالعزیز ابن سعود کی بیعت کر لی تھی اور اسے سلطان نجد اور ملک الحجاز کے لقب سے یاد کیا جانے لگا تھا ۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ حرمین شریفین کی بہتری اور حجاج و زائرین کے

لیے سہولتوں کے سلسلے میں تمام عالم اسلام سے رائے لے لی جائے ۔ چنانچہ شاہ مصر' افغانستان' ایران ' عراق صدر ترکی' امیر عبدالکریم ریفی' امام یحیی والی یمن' صدر اسلامی مجلس اعلی بیت المقدس ' صدر تحریک خلافت بمبئی ' صدر جمعیت اہل حدیث امرتسر' صدر جمعیتہ العلماء ہند دہلی ' والی تونس ' والی طرابلس الغرب (لیبیا) شیخ بدرالدین الحسنی ' شیخ بہجت بیطار دمشق ' ڈائریکٹر مرکزی دینی ادارہ اورفا (روس) ' قاضی مصطفیٰ شرشلی الجزائر' صدر شرکت اسلام جکارتہ اور شرکت محمدیہ جاوا کے نام ۱۲ رمضان ۱۳۴۴ھ کو حسب ذیل مضمون کا تار ارسال کیا : ۳۷

ترجمہ : "حرمین شریفین اور ان کے باشندوں کی خدمت کے لیے ' ان کے مستقبل کی ضمانت سلامتی کے لیے ' حجاج و زائرین کو وسائل راحت و آرام مہیا کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کی خواہش کے مطابق بلاد مقدسہ کے حالات کی ہر قسم کی اصلاح کے ضمن میں ہم نے جو وعدے کیے اور اپنے ذمے عہد لیے ' انھیں وفا کرنے کے لیے ' ان مقامات مطہرہ کی خدمت کے لیے مسلمانوں کے باہمی تعاون اور امداد کی جانب اپنے میلان کی وجہ سے ہم نے ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ کو اسلامی حکومتوں اور مسلم اقوام کی عام کانفرنس کے انعقاد کے لیے مناسب وقت خیال کیا ہے ۔ ہم نے ان مسلمانوں اور ان کے بادشاہوں کو دعوت بھیج دی ہے جنہیں حرمین کے معاملات سے لگاؤ ہے ۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے نمائندے مقررہ تاریخ پر حاضر ہوں گے ۔ اللہ تعالی ہم سب کو اپنی عنایت کی سرپرستی عطا فرمائے ۔ " (شاہ حجاز اور نجد و مضافات کا سلطان عبدالکریم)

اسلامی دنیا میں پیش آنے والا کوئی بھی واقعہ علامہ محمد اقبال کی دردمند عقابی نظر سے اوجھل نہیں رہتا تھا ۔ پھر سرزمین حجاز تو ان کے خوابوں کی سرزمین تھی ۔ گہوارے سے لیکر دم واپسیں تک اقبال کے دل و دماغ میں حجاز اور اہل حجاز کے معاملات رہے' اس لیے ترکوں کے ساتھ حجاز میں جو کچھ ہوا' اس کا بھی انہیں دکھ تھا۔ شریف مکہ نے ترکوں ' عربوں اور خود اہل حجاز کے ساتھ جو روا رکھا اور دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں جس طرح وہ کھلونا بنا رہا' وہ بھی ان پر مخفی نہیں تھا ۔ اس کے علاوہ "یورپ کے مرد بیمار" ترکی اور معزول عثمانی خلیفہ عبدالمجید خان کی حیثیت و صلاحیت سے بھی وہ پوری طرح آگاہ تھے اور سب سے بڑھ کر جس جرات و دلیری اور عقابی جھپٹ سے عبدالعزیز ابن سعود نے سلطنت نجد پر ڈرامائی انداز میں قبضہ کر کے ساری دنیا کو محو حیرت کر دیا تھا اور جس ترانہ توحید کی قوت سے وہ تسخیر نجد و حجاز کے لیے اٹھا تھا وہ سب بھی اقبال کے لیے ایک دعوت عمل سے کم نہ تھا؛ چنانچہ وہابیت کی تحریک کے خلاف بعض حلقوں میں کراہت کے موجود ہونے کے باوجود اقبال نے کھل کر عبدالعزیز ابن سعود کی حمایت کی ' گو یہ حمایت اقبال کو بہت مہنگی پڑی ۔ پنجاب کونسل کے انتخابی معرکے کے دوران ان کے مخالفین نے ان پر وہابیت کا الزام بھی لگایا اور اہل سنت کے ووٹوں سے محروم کرنے کی بے سود کوشش کی ۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کی صراحت کے مطابق جن گروہوں نے اقبال کی کردار کشی اور بدنامی کے لیے

لیے سعی نامشکور کا ارتکاب کیا' ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہیں ابن سعود کی حمایت والا اعلان ناگوار گزرا تھا اور وہ انہیں وہابیت کا وکیل تصور کرتے تھے ۔ ۳۸ لیکن اقبال نے اس کی پروانہ کی اور "مسلم آوٹ لک" کے نمائندے کو اپنے تاریخی انٹرویو کے علاوہ روز نامہ "زمیندار" لاہور کی ۳ نومبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں واضح طور پر ابن سعود کی حمایت کی اور سابق عثمانی خلیفہ عبدالمجید خان کو حجاز کی عملداری سونپنے کی مخالفت کی' بلکہ ابن سعود جس عقیدہ توحید کی اشاعت و حمایت میں اٹھا تھا' اقبال نے اس سے مستقبل میں عالم اسلام کی بہتری کی توقعات بھی وابستہ کر لی تھیں ۔

(جاری ہے)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006